باب ۵

غزل

اردو شاعری کی مقبول ترین صنف غزل ہے۔ عام طور پر شعرا اسی صنف کو اپنے خیالات پیش کرتے ہیں۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ آج کا انگریزی ادب بھی غزل کو اپنے اندر سمونے کی کوشش کر رہا ہے۔
لغت میں غزل کے معنی عورتوں سے باتیں کرنا ہے۔ یعنی ایسی صنف سخن جس میں عورتوں کا تذکرہ ہو یا ان سے باتیں کی جائیں، غزل کہلاتی ہے۔ لیکن ادب میں غزل وہ صنف سخن ہے، جس میں سوز و گداز، درد و کسک کے مضامین ادا کئے جائیں۔ غزل عام طور پر پانچ سے ستائیس اشعار تک ہوتی ہے۔ اس کا ہر شعر جدا رنگ کا مضمون رکھتا ہے۔ البتہ سارے اشعار ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ غزل کو ہم گلدستے سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ جس میں مختلف رنگوں اور قسموں کے پھول ہوتے ہیں۔

غزل کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے۔ جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ باقی تمام شعروں کے مصرعہ ہائے ثانی پہلے شعر کے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ ایک غزل میں ایک ہی بحر استعمال ہوتی ہے۔ عام طور پر ستائیس بحریں اردو غزل میں مروج رہیں۔ غزل کے آخری شعر میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔ اسے مقطع کہتے ہیں۔ غزل کے بر

شعر میں ادراک، احساس اور انسانی تجربہ موجود ہوتا ہے۔ ایک غزل کے متنوع اشعار ہر رنگ کے قاری کو متاثر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ غزل میں ایجاز و اختصار، ایمائیت، داخلیت، تشبیہات، استعارات، رموز مرہ اور محاورہ اس کا حسن اور زیور ہے۔ غزل لفظ اور معنی کا حسین و لطیف امتزاج ہے۔ اس میں جذبے کی سچائی، نغمگی اور موسیقیت اس کے اعلیٰ ہونے کا ثبوت ہوتی ہے۔ اس کا ہر شعر تراشا ہوا نگینہ ہوتا ہے۔ اس لئے غزل کہنا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں۔ اس میں الفاظ کی شان اور استادانہ فن کا کوئی گزر نہیں۔ اس کا اختصار، توازن اور نغمہ انگیزی بذات خود رنگینی ہے۔

غزل کے لئے موضوع کی کوئی قید نہیں۔ اس میں ہر قسم کے خیالات سما سکتے ہیں۔ اگر ہم غزل کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ غزل کا ظرف کس قدر کشادہ ہے۔ اور اس نے کس قدر مختلف اور متنوع اقسام کے مضامین کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ دیگر غزل کا ہر شعر منفرد حیثیت کا مالک ہوتا ہے۔ اس کا باقی اشعار کے مضامین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر ایک شعر میں ہجر کی کیفیت کا بیان ہے تو اگلے میں وصل کا مزہ مذکور ہے تیسرے میں محبوب کے حسن و جمال کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے گئے ہیں اور چوتھے میں اپنی برباد قسمت کا رونا رویا گیا ہے۔

امیر خسرو کے دوہے اور کہہ مکرنیاں اردو شاعری کی ابتداء تھیں، جو اصل میں رنگ ریختہ میں تھیں۔ جہاں تک باقاعدہ اردو غزل سے تعلق ہے اس

کا آغاز غزل ہی سے ہوتا ہے۔ امیر خسرو اس ضمن میں اردو کے پہلے غزل گو شاعر کہے جاتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے اپنے سے پہلے مسعود سعد سلمان (وفات ۱۱۲۱ء) کا ذکر بھی کیا ہے۔ امیر خسرو کے بعد اردو غزل کا باقاعدہ آغاز دکن سے ہوتا ہے، جہاں عادل شاہی اور قطب شاہی خانوادوں کے درباروں میں شوقی، غواصی، فائز بحری، اشرف اور ولی دکنی جیسے شعرا موجود تھے، خود بادشاہ بھی شاعری کیا کرتے تھے۔ قلی قطب شاہ (۱۵۸۰ء — ۱۶۱۲ء) کو پہلا صاحب دیوان شاعر سمجھا جاتا ہے۔ تاہم جدید تحقیق کے مطابق مثنوی کدم راؤ، پدم راؤ کو اولیت حاصل ہے تقریباً

قلی قطب شاہ؛ یہ گولکنڈہ کے قطب شاہی خاندان کا پہلا فرمانروا تھا۔ اس کا دیوان دو ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں غزلیں، قصیدے، رباعیاں اور مرثیے وغیرہ موجود ہیں۔ اس کے کلام میں پختگی، سادگی اور ادبی شان پائی جاتی ہے اکثر ہندی خیالات اور الفاظ اس کے کلام میں ملتے ہیں۔ اس کی طرز بھی ہندی ہے۔ جس میں عشق عورت کی جانب سے کیا جاتا ہے اس لئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس نے ریختی کہی ہے۔ غزل نہیں۔ نمونہ کلام ؎

دل مانگ خدا کن کہ خدا کام دِوے گا
تمنن کے مرادن کے بھرے جام دِوے گا

کرتے دعوائے شعر کا سب اپنی طبع سوں
بخشا فصیح شعر معانی کے تئیں خدا

قلی قطب شاہ کے بھتیجے اور داماد سلطان محمد قطب شاہ بھی صاحب دیوان تھے، نمونہ کلام ؎

سکھی تو ہر گھڑی مجھ پر نہ کر غیظ

محبت پر نظر رکھ کر بسر غیظ
دولت ترے رنگیلے یاقوت کو دئے رنگ

لے بھیک رنگ عقیقاں رنگیں ہوئے یمن ہیں

محمد قطب شاہ کے بیٹے سلطان عبداللہ، قطب شاہ کا دربار بھی شعراء و فضلاء سے بھرا رہتا تھا۔ "برہان قاطع" انہی کے دور میں لکھی گئی۔ وہ خود بھی اچھے شاعر تھے۔ فارسی اور دکنی میں شعر کہتے تھے۔ نمونہ ؎

تری پیشانی پر ٹیکا جھمکا
تماشا ہے اجالے میں اجالا

غزل قطب شاہی دور کا سب سے بڑا اور قد آور شاعر ولی دکنی ہے، اسے اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر سمجھا جاتا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ احمد آباد میں پیدا ہوئے۔ میر تقی میر نے اورنگ آباد لکھا ہے۔ انہوں نے تقریباً تمام اصناف میں شاعری کی ہے۔ بقول سید عابد علی عابد صرف اسی کو اردو شاعری کی مثال مانا جاتا ہے۔ ان کے یہاں تغزل کے علاوہ اخلاقی مضامین بھی موجود ہیں۔ مضمون آفرینی اور تخیل کی گہرائی دیکھنے کے قابل ہے۔ صوفی منش ہونے کی وجہ سے تصوف کے نکات بھی بیان کرتے ہیں۔ صاحب معرفت تھے اس لیئے دل کے سوز و گداز کا ایک نرالا ہی عالم ہے۔ ان کی تشبیہات اور استعارات میں جدت ہے۔ ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ ولی کے ہاں خارجی پہلو زیادہ ہے۔ ولی جب دلی آتے تو انہوں نے اپنی زبان کو کم کر کے دہلوی کو اپنے کلام میں جگہ دی۔ نتیجتہً فارسی آمیز اردو کا

چرچا عام ہونے لگا اور ولی کے کلام میں نکھار آگیا۔ نمونہ کلام ؎

خوب رو خوب کام کرتے ہیں
اک نگاہ میں غلام کرتے ہیں

دل چھوڑ کے یار کیوں کہ جاوے
زخمی ہے شکار کیوں کہ جاوے

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں دلبر سے
سوال آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

ولی دکنی کے زیر اثر شمالی ہند میں اردو غزل کا چرچا ہو گیا۔ شمالی ہند کے اکثر شعرا نے ان کی پیروی کی۔ ان میں دہلی کے قابل ذکر شعراء برہمن، خان آرزو، حاتم، ناجی، مضمون، آبرو، مرزا مظہر جان جاناں، فغاں، یکرنگ اور میر تقی میر وغیرہ ہیں۔ ان میں میر تقی میر ہی بجا طور پر اس دور کے نمائندہ شاعر کہے جاسکتے ہیں۔

میر صاحب آگرہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں یتیم ہوئے اور دہلی میں اپنے ایک رشتہ دار خان آرزو کے ہاں چلے آئے۔ تمام عمر مصائب جھیلتے اور شاعری کرتے رہے۔ دہلی میں ان کی بے حد قدر ہوئی۔ لوگ ان کے کلام کو دور دراز شہروں میں لے جاتے تھے۔ ۱۷۸۲ء میں دہلی چھوڑ کر لکھنؤ پہنچے۔ نواب آصف الدولہ نے ان کے لئے دو سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔

میر نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن جو بات غزل

میں پیدا ہوتی ۔ وہ کسی اور میں نہیں۔

ہر دور کے شاعر نے غزل میں انہیں حجت گردانا ہے۔ ان کے استادِ غزل ہونے کا اعتراف ہر بلند پایہ شاعر نے کیا ہے۔ تغزل کو جس سادگی کے ساتھ انھوں نے نبھایا ہے وہ انہی کے حصہ کی بات ہے۔ بقول ڈاکٹر اعجاز حسین میر کے اشعار میں سادگی اور صفائی اتنی زیادہ ہے کہ بلا غور و فکر اشعار ذہن میں سما جاتے ہیں۔ اور دل میں نشتر کی طرح اتر جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر خاص و عام محظوظ ہوتا ہے۔

میر کے کلام میں سب سے اہم عنصر مایوسی اور درد کا ہے۔ میر اپنے ساتھ دردمند دل لے کر آئے تھے۔ انھیں سوائے رنج و الم کے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ پھر والد کی یہ تلقین کہ "بیٹا عشق کرو، عشق ہی سے یہ دنیا بنی ہے عشق کے بغیر زندگی وبال ہے اور عشق میں دل کو ہارنا کمال ہے" چنانچہ انھوں نے درد و الم اور عشق و محبت سے لبریز اشعار کہے ہیں۔ حسرت ملال مایوسی، درد اور غم ان کے کلام کی امتیازی خصوصیت ہے۔ ان کے بہتر اشعار نشتر کہلاتے ہیں جو دل پر بے حد اثر کرتے ہیں۔ ان کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں ؎

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے
اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے
شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے
دل ہے گویا چراغ مفلس کا

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہہ شیشہ گری کا

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

دیدنی ہے شکستگی دل کی
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

مرے سلیقے سے میری نبھی محبت میں
تمام عمر ناکامیوں سے کام لیا

یوں اٹھے آہ اس گلی سے ہم
جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے

میر کے ساتھ ان کے ہم عصر سودا اور میر درد قابل ذکر حیثیت رکھتے ہیں اس دور میں دیگر شعرا میں سوز، قائم، مرزا مظہر جان جاناں، یقین، بیان، ہدایت، قدرت اور میر کے بعد کے شعراء میں انشا، مصحفی، اثر، جرأت، بقا وغیرہ اہمیت رکھتے ہیں۔ اردو غزل کی جو روایت میر نے قائم کر دی تھی۔ اس کا رنگ روپ قائم کرنے والوں میں انشار اور مصحفی بے حد اہم ہیں۔ یہ غزل کے استاد تھے۔ ان کے دور میں مشاعرے کثرت سے ہوا کرتے تھے۔ انھوں نے اردو سے ہندی الفاظ کو خارج کرنے اور فارسی الفاظ رائج کرنے کی شعوری کوشش کی۔ اور ان ہندی الفاظ کو بھی غزلوں سے خارج کر دیا۔ جو میر اور سودا کے زمانے میں باقی رہ گئے تھے۔

اس کے بعد غالؔب اور ذوؔق کا زمانہ آتا ہے۔ اس دور میں شاہ نصیرؔ، ذوؔق، غالؔب، مومؔن اور بہادر شاہ ظفؔر مشہور غزل گو شعراء تھے۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں رہے سہے ہندی الفاظ بھی نکال دیے۔ اس دور کے ممتاز اور ہر دور کے عظیم شاعر میرزا اسداللہ خان غالؔب تھے۔ اگرچہ وہ بنیادی طور پر فارسی کے شاعر تھے۔ اور مرزا بیدل کے رنگ میں لکھتے تھے۔ لیکن انھوں نے اردو غزل پر خصوصی توجہ دی۔ اور اس میں غیر مانوس ہندی الفاظ کی جگہ فارسی تراکیب کو دی۔ اس طرح اردو غزل فارسی غزل سے آنکھ ملانے کے قابل ہوگئی۔ علاوہ ازیں ان کے خیالات میں حد درجہ کی جدّت اور مضامین میں بے پناہ قدرت ہے۔ زبان کے نکھار کے علاوہ ان کے انداز تغزل میں باقاعدہ فکر کے عناصر ملتے ہیں۔

شروع شروع میں غالؔب آسدؔ تخلص کرتے تھے اور مشکل پسندی کی طرف مائل تھے۔ بعدازاں انہوں نے میؔر کے تتبع میں سہل نگاری کی طرف بھی توجہ دی مگر بیدل کی معنی رمزیت قائم رہی۔ پریشانیوں اور محرومیوں نے انھیں زندگی سے پیار کرنا سکھا دیا تھا۔ نیز انا کو برقرار رکھنے کی خواہش کی وجہ سے ان کے کلام میں ایک طرح کا احساس برتری پیدا ہوگیا۔ جس سے ایک طرف ان کے ہاں آزادی فکر اور فلسفی کا عشق ملتا ہے اور دوسری طرف پریشانی اور غم بھی انتہا پر نظر آتا ہے۔

غالؔب نے اپنی شاعری کی بناء جدّت پر استوار کی تھی اگرچہ انھوں نے بیدل اور میؔر کے رنگ کو اپنانے کی کوشش کی۔ لیکن ان کی انا پسندی اور

جدت طرازی نے ان کے لیئے ایک نیا رنگ پیدا کر دیا۔ خصوصاً تراکیب اور تشبیہات کے لیئے جدت ان کے ہاں درجہ کمال پر ملتی ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ درج ہیں:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں
وہ ستم گر مرے مرنے پر بھی راضی نہ ہوا

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

رنج سے خوگر ہو انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں

آتا ہے داغِ حسرت دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گناہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں

غالب سے پہلے غزل صرف درد و غم یا صوفیانہ و فلسفیانہ افکار کے لیئے وقف تھی۔ غالب نے ایک جدت یہ بھی کی کہ اس میں عام زندگی کا رنگ جھلکایا اور طنز و مزاح کو اس میں جگہ دی۔

غالب کے زمانے ہی میں دہلی پر زوال آگیا تھا۔ اہل دربار لکھنؤ

ہیں اکٹھے ہو رہے ۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے جو غدر مچا، اس نے دہلی اور اس کی محفلوں کو ویران کر دیا۔ چنانچہ لکھنؤ میں اردو غزل کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ جس کے پروردہ ناسخ اور آتش تھے۔ ان دو اساتذہ نے اردو غزل میں شاندار الفاظ، صنائع بدائع اور بے اثر اور دور از کار تشبیہات اور استعارے شامل کرنا شروع کئے۔ جذبات کی صداقت کی جگہ تصنع نے لے لی۔ تاہم ایک فائدہ یہ ہوا کہ اردو زبان نکھر گئی۔ تذکیر و تانیث کے قواعد وضع ہوئے۔ استعمالِ الفاظ کے قواعد مقرر ہوئے۔

لکھنویت کے اجڑنے اور واجد علی شاہ کی معزولی کے بعد امیر، داغ، جلال اور تسلیم جیسے نامور شعرا اپنا وطن چھوڑ کر حیدر آباد دکن، رام پور اور دوسری اسلامی ریاستوں میں چلے گئے۔ ان شعراء میں داغ کے ہاں انفرادی رنگ ملتا ہے۔ اس کا کلام بے ساختگی، زبان کی شستگی اور روانی کی وجہ سے نسبتاً زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ دیگر شعراء عموماً قدما کی تقلید کرتے رہے۔

داغ کے بعد اگرچہ بہت سے منفرد شعرا نے غزل کے میدان میں قدم رکھا۔ مثلاً حسرت موہانی اور حالی، جنھوں نے غزل کو واقعیت اور حقیقت کے قریب کر دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ غالب کے بعد اگر کسی شاعر نے غزل کے شکوہ میں اضافہ کیا تو وہ علامہ اقبال ہیں ان کے چند اشعار بطور نمونہ درج ہیں ؎

تو ہے محیط بے کراں میں ہوں ذرا سی آبجو

یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

اقبال کے دوش بدوش ریاض خیرآبادی، اثر، ثاقب، چکبست، شاد، فانی، سیماب، جلیل، آرزو لکھنوی، بے خود، حسرت، اصغر گونڈوی جگر مراد آبادی، اور یاس یگانہ چنگیزی بھی نہایت اہم غزل گو شاعر ہیں۔ اثر نے رمزیت کو اردو غزل کا اہم حصہ بنایا۔ ریاض خیرآبادی نے خمریات پر، فانی نے شدت اثر اور معنویت پر زور دیا۔ جلیل اور ثاقب نے نشست الفاظ اور ترنم کو غزل کی خصوصیات میں شامل کیا۔ اصغر گونڈوی، جگر اور یاس نے عام واردات قلب، بے خودی اور محبت کے موضوع کو سادگی اور سلاست سے مختلف پہلوؤں کے ساتھ غزل میں سمویا۔

ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر لکھی گئی

نئی فارسی تراکیب کو اس انداز سے غزل میں سمویا ہے کہ اس کا جامہ رنگین و مرصع ہو کر رہ گیا ہے۔ ان کے ہم عصر فراق گورکھپوری ہیں۔ جنھوں نے الفاظ کی تلاش اور مضمون و بیان کی ہم آہنگی پر زور دیا ہے۔ نیز جذبات نگاری کے ساتھ ساتھ فکر و فلسفے کا عنصر شامل کر کے تاثیر کلام میں اضافہ کر دیا ہے۔ ان کے ساتھیوں میں تلوک چند محروم، آنند نرائن ملا، حفیظ جالندھری، فطرت واسطی ہیں۔ ان میں سے حفیظ جالندھری کے ہاں قنوطیت

اور مایوسی نظر آتی ہے۔ لیکن انھوں نے غزل کے لئے جو زبان استعمال کی ہے نہایت شستہ اور نرم و گداز ہے۔

جدید شعراء میں فیض، مجاز، احسان دانش، اختر شیرانی، احمد ندیم قاسمی وامق، محمد دین تاثیر، عابد علی عابد، جوش ملسیانی، میلارام وفا، منور لکھنوی، نہال سیوہاروی، ہری چند اختر، سراج الدین ظفر، عبدالحمید عدم، معین احسن جذبی، مجروح سلطانپوری، شکیل بدایونی، حفیظ ہوشیارپوری، ظفر اقبال، انجم روحانی سلیم احمد۔ سیف الدین سیف، روش صدیقی، ظہیر کاشمیری، ساغر صدیقی، ساحر لدھیانوی، ناصر کاظمی، شاد عارفی، جاں نثار اختر، نریش کمار شاد، منیر نیازی، شیر افضل جعفری۔ کیفی اعظمی۔ حمایت علی شاعر۔ خاطر غزنوی۔ محسن احسان۔ جمیل ملک۔ اختر ہوشیارپوری۔ عارف عبدالمتین۔ مظفر وارثی۔ محمد ابن الحسن۔ ریاض مجید۔ محسن بھوپالی۔ ساقی صدیقی۔ اور جدید ترین شعرا میں شہزاد احمد۔ عطاء الحق قاسمی۔ امجد اسلام امجد۔ محمد اظہار الحق۔ محسن بھوپالی۔ عبیداللہ علیم۔ ثروت حسین۔ افضال سید۔ سلیم کوثر۔ جمال احسان۔ خالد احمد۔ نجیب احمد۔ خالد اقبال یاسر۔ جلیل عالی انعام الحق جاوید۔ احسان اکبر۔ ستار سید وغیرہ کے نام اہم ہیں۔

ان جدید شعراء نے غزل کی تنگنائے کو وسعت بیان کیلئے وسیع تر کر دیا ہے۔ فیض، مجاز، اختر شیرانی، اور جذبی جیسے شعرا کے ہاں اگرچہ جذبات نگاری کا عنصر زیادہ ہے، لیکن اسی کے تناظر میں انھوں نے نہایت سچائی

کے ساتھ نوجوانوں کے جذبات، غریبوں کے احساسات، بے روزگاروں اور مظلوموں کے دکھ درد کا نقشہ کھینچا ہے۔ خصوصاً فیض اور مجاز کی آواز زنجیروں کی کھنک کے ساتھ سنائی دیتی ہے۔ احسان دانش کے ہاں غریب مزدور کے انقلابی احساسات ملتے ہیں۔ اختر شیرانی کے ہاں صرف ملکوتی رومانیت نظر آتی ہے وہ ایک ماورائی سرمستی اور حسن پرست کیفیت کا پرستار ہے، احمد ندیم قاسمی وہ پہلا شاعر ہے جس نے غزل کے کینوس کی بنیاد وسیع مطالعے پر رکھی ہے۔ بدلتے ہوئے موضوعات اس کے ہاں عام ہیں۔ اس نے زندگی کو ہر رنگ میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ ناصر کاظمی کے ہاں ایک بار پھر میر کی سادگی ملتی ہے۔ مگر جدید آشوب کے حوالے سے۔

موجودہ دور کی غزل میں بے کیف مبالغہ آرائی کی جگہ صداقت اور اصلیت نے لی۔ موضوعات وسیع تر ہوتے گئے۔ تاثیر، ترنم، داخلی پہلو، ہمواری، یک رنگی اور جذباتی اور ذہنی کیفیات کی اظہار پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ شعرأ نے بیکار باتوں کی جگہ موسیقیت کو استعمال کیا ہے۔ رمز و کنایہ کی جگہ نفسیات اور مطالعۂ زندگی عام ملنا شروع ہو گیا ہے۔ مارکسی اور اشتراکی فلسفے نے بھی غزل میں اپنا مقام حاصل کر لیا ہے۔ لیکن ایک پہلو جس سے جدید دور کی غزل دور ہٹ گئی ہے۔ سادگی اور بے ساختہ پن تھا۔

ناصر کاظمی اس دور کا پہلا شاعر ہے، جس نے بے ساختگی اور سادگی کی طرف مراجعت کی ہے۔ جدید غزل اس کا تتبع کر رہی ہے۔

نئے شعرا میں مجید امجد مرحوم پہلا شاعر تھا جس نے کائنات کو ہر تناظر سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ شہزاد احمد نئی جہت کا شاعر ہے۔ عبید اللہ علیم ذات کے

اظہار پر توجہ دیتے ہیں۔ امجد اسلام امجد نے لفظیات پر زور دیا ہے۔ پروین شاکر ایک بار پھر خوشبوؤں کے ساتھ سفر کر رہی ہے۔ ناصر زیدی اپنی ذات کا آئینہ دیکھ رہے ہیں۔ آغاز برنی محبت کے شاعر ہیں۔ خالد اقبال یاسر ۔ محمد اظہار الحق شاندار ماضی کی باز یافت کر رہے ہیں۔ عطاء الحق قاسمی ہم زمان اور حقیقت کو یکجا کر رہے ہیں۔ اختر امان اور انعام الحق جاوید مختلف رنگوں کے عکس پیش کر رہے ہیں۔

جدید ترین شعرا میں ان کے علاوہ جمیل یوسف، اختر امام رضوی۔ ثروت حسین، افضال سید، سلیم کوثر، جمال احسانی، خالد احمد، نجیب احمد، جلیل عالی، احسان اکبر، ستار سید، نثار ناسک، زاہد فخری، اقبال ساجد شکیب جلالی، عطا شاد، اجمل نیازی، حسن رضوی، غلام محمد قاصر، حسن عباس رضا، رام ریاض، انجم نیازی، حسن ناصر، حلیم قریشی، جعفر ملال، یوسف حسن، ایوب خاور، خورشید رضوی، صادق نسیم، رشید قیصرانی، حزیں لدھیانوی، حسن اختر جلیل، آصف ثاقب، اور انور شعور قابل ذکر نام ہیں۔